ڈاکٹر محمد خالد مسعود

اسلامی دُنیا کی خبریں

اسلام اور عصری مسائل

قرآن کریم سائنسی حقائق کی نفی نہیں کرتا (شیخ صالح السدلان)

ریاض - ۳۱ جولائی - جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ کے استاد شیخ صالح السدلان نے کہا ہے کہ شریعت اسلامیہ سائنسی حقائق کے مخالف نہیں - اس بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں وہ ہماری کم علمی کی وجہ سے ہیں -

شیخ سدلان بعض حلقوں کی طرف سے کیے گئے ان اعتراضات کا جواب دے رہے تھے جن کا دعویٰ تھا کہ آسمانی بجلی کے بارے میں قرآنی تعلیمات اور جدید تحقیقات میں تضاد ہے - شیخ صاحب نے وضاحت کی کہ آسمانی بجلی، اس کی آواز، گرج اور روشنی سب اللہ کے حکم سے ہیں - قرآن کریم میں ارشاد ہے -

" اور بادلوں کی گرج اس کی ستائش کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کی دہشت سے سرگرم ستائش رہتے ہیں - وہ بجلیاں گراتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان کی زد میں لے آتا ہے، لیکن یہ منکر ہیں کہ (اللہ کی قدرت و حکمت کی ان ساری نشانیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے) اس (کی ہستی اور یگانگت) کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ (اپنی قدرت میں) بڑا ہی سخت اور اٹل ہے "

(سورہ الرعد : ۱۳، ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد)

اس آیت سے واضح ہے کہ بادلوں میں حرکت اللہ کے حکم سے ہے۔ بجلی اللہ کی ہی تسبیح بیان کرتی ہے۔ قرآنِ کریم میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے کہ "دُنیا کی ہر شے اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے"

(سورہ الاسرا ۱۷ : ۴۴)

گویا یہ سارے مظاہر قوانینِ الٰہی کے تحت کام کر رہے ہیں جن کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ علم الطبیعیات اور علم الافلاک کے ماہرین نے اس ضمن میں جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ شریعت سے متصادم نہیں ہوسکتیں۔ دراصل ان مظاہر کے بارے میں تحقیقات و اکتشافات کا عمل جاری ہے۔ آسمانی بجلی کے بارے میں مختلف وقتوں میں مختلف نظریات رہے ہیں۔ قدیم مفسرین کا کہنا تھا کہ جب حضرت میکائیل بادلوں کو ڈانٹتے ہیں تو ان کی گرج اور چمک آسمانی بجلی بن کر نمودار ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ آسمانی بجلی بادلوں کے پھٹنے سے پیدا ہوتی ہے۔ آج کی تحقیق یہ کہتی ہے کہ آسمانی بجلی گیس کے دو اجسام کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ الغرض انسان اپنے علمی وسائل کی بنا پر ان مظاہر کے بارے میں حقائق معلوم کرتا رہتا ہے۔ ہم ان حقائق کو شریعت کے بالمقابل نہیں لاتے کیونکہ یہ کسی حال میں بھی ممکن نہیں کہ شریعت علمی حقائق کی تکذیب کرے۔

دراصل ہم میں سے بعض لوگ شریعت کی نصوص سے اپنی عقل کے مطابق ایک خاص مفہوم مراد لیتے ہیں اور پھر اس کی بنیاد پر سائنسی حقائق کی تردید یا تائید کرتے ہیں۔ اگر غور کریں تو آیاتِ قرآنی ان حقائق کی نہ تردید کرتی ہیں نہ مخالفت۔ قصور ہماری کم علمی اور کم فہمی کا ہے جس کی بنا پر ہماری تاویلات کی وجہ سے آیات قرآنی سائنسی حقائق کی نفی کرتی معلوم ہوتی ہیں۔ صحیح اندازِ فکر یہ ہے کہ ہم سائنسی تحقیقات کے مقابلے میں اپنی تاویلات کو نصوص قرآنی بنا کر پیش نہ کریں۔

تبلیغ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ دعوت کے طریق کار میں اختلافات ہیں

(شیخ احمد عروہ)

رباط۔ ۲۴ جولائی۔ نشاۃِ اسلامیہ کے بارے میں منعقدہ تیسرے اور آخری اجلاس میں مندوبین نے تبلیغِ اسلام کے مسائل پر غور کیا۔ اکثریت کی رائے میں باہمی اختلافات کی وجہ سے دعوتِ اسلامی میں کامیابی نہیں ہو رہی۔

حال ہی میں "المسلمون" اخبار نے نشاۃِ اسلامیہ کے موضوع پر مذاکرے کا اہتمام کیا۔ اس کا پہلا اجلاس سعودی عرب میں، دوسرا مصر میں اور تیسرا مراکش میں منعقد ہوا۔ ان مذاکرات کی خصوصیت خود احتسابی کا عمل تھا۔ مندوبین کا کہنا تھا کہ اسلامی تحریکات سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں اگرچہ ان کی بنیاد نیک نیتی پر تھی، لیکن ان میں سے بعض بے جا جوش کی وجہ سے اور بعض محض انسانی کمزوریوں کی بنا پر پیش آئیں۔

شیخ احمد عبادی نے جو مراکش میں جامعہ قاضی عیاض میں استاد ہیں کہا کہ نشاۃ اسلامیہ کی تحریک کی سب سے بڑی کمی عصری فقہ سے بے اعتنائی ہے۔ اسلامی جماعتوں میں بعض افراد اور قائدین نہ دین کا صحیح فہم رکھتے ہیں نہ عصری تقاضوں سے واقفیت۔ وہ جدید علوم اور معاشرتی تقاضوں سے بھی آگاہ نہیں۔ خاص طور پر قانون، سیاسیات، اقتصادیات اور اجتماعیات سے عدم واقفیت کی بنا پر عہد جدید کے مسائل پر ان کی گرفت نہیں۔ اسی لیے دعوت کی راہ میں ان کی کوششیں کامیاب نہیں رہیں۔

جامعہ اسلامیہ قسطنطینیہ، الجزائر کے وائس چانسلر شیخ احمد عروہ نے کہا ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک اس وقت تین بنیادی مشکلات سے دوچار ہے۔ ان میں سے ایک کا تعلق اس تحریک اور اس کی دعوت سے ہے۔ دوسری کا تعلق امتِ اسلامیہ سے ہے اور تیسری کا تعلق باہر کی دنیا سے ہے۔ باہر کی دنیا اپنے سیاسی، فوجی، اقتصادی، ثقافتی اور ابلاغی وسائل سے لیس ہو کر نشاۃ اسلامیہ کے خلاف ایک

بھرپور جنگ لڑ رہی ہے۔ تاہم ہمیں یقین ہے کہ یہ جنگ نشأۃ ثانیہ کی رفتار کو کم تو کر سکتی ہے لیکن اس کے تاریخی عمل کو روک نہیں سکتی۔ جہاں تک امتِ اسلامیہ کا تعلق ہے یہاں حکمران طبقے نشأۃ ثانیہ کی راہ میں سیاسی، اقتصادی اور علمی میدانوں میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں لیکن بالآخر انھیں سوچنا پڑے گا کہ اس سے انھیں کیا فائدہ ہوگا۔

نشأۃ اسلامیہ کی تحریکوں کا سب سے بڑا مسئلہ دعوت کا طریق کار ہے، کسی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس کے دعوتی طریق کار پر ہوتا ہے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسلامی تحریکیں اس ضمن میں اختلافات کا شکار ہیں۔ بعض لوگوں کا طریق کار ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے لوگ دعوت و تبلیغ سے ہی نہیں بلکہ نشأۃ اسلامیہ سے متنفر ہوتے جا رہے ہیں۔ دوسری جانب بعض جماعتوں کے طریق کار کی وجہ سے لوگ نشأۃ اسلامیہ سے خائف ہو رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تحریکات کے قائدین باہمی رابطے کو مضبوط بنائیں، باہمی مسائل پر غور کریں اور دعوت کے مقاصد اور طریق کار کے بارے میں غور و فکر کر کے واضح اور صحت مند لائحہ عمل طے کریں۔

سیرت محض ماضی کی داستان نہیں بلکہ

ایک زندہ شعلہ ہے جو گرمیٔ حیات عطا کرتا ہے

سیرت نبوی؛ احادیث صحیحہ کی روشنی میں شائع ہوگئی

ریاض ۳۰ر جون۔ سعودی عرب سے حال ہی میں ایک کتاب السیرۃ النبویہ کما وردت فی الاحادیث الصحیحہ "قراءۃ جدیدہ" کے عنوان سے شائع ہوگئی ہے۔ اس کتاب کے مصنف محمد الصویانی نے پچاس سال کی محنت کے بعد اس

کو مکمل کیا ہے۔ کتاب بڑی تقطیع کے ۲۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ ناشر کا نام درج نہیں۔

کتاب ایک نئے ادبی اسلوب میں لکھی گئی ہے، زبان عام فہم اور سلیس ہے۔ کتاب کی اس خصوصیت سے قطع نظر کہ اس کا تمام تر مواد احادیث کے ۶ مستند مجموعوں (صحاحِ ستّہ) سے لیا گیا ہے، اس کا سیرت نگاری کا نیا انداز بھی اسے منفرد کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کتاب کا آغاز حضرت عبدالمطلب کے اس واقعے سے ہوتا ہے کہ وہ زمزم کے کنویں کی کھدائی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ یہاں سے مصنّف قاری کو مکہ مکرمہ اور خانۂ کعبہ کے تاریخی پس منظر میں لے جاتے ہیں، جہاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی مکہ مکرمہ آمد، خانہ کعبہ کی تعمیر، خصوصاً زمزم کا چشمہ ابلنے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہاں سے حضرت عبدالمطلب کا ذکر دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔

مصنف نے سیرت نگاری کے اس نئے اسلوب کی توجیہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیرت محض ماضی کی داستان نہیں بلکہ ایک زندہ شعلہ ہے جو گرمیٔ حیات عطا کرتا ہے۔ ایک جذبہ ہے جو مستقبل کی رگوں میں ذوق و شوق اور ولولہ بن کر دوڑتا ہے۔

مسلمانوں پر زمین تنگ ہوگئی ہے انہیں گھروں سے نکالا جارہا ہے اور کوئی ان کی حفاظت کے لیے آگے نہیں آتا۔

(شیخ الازہر)

قاہرہ ۳۱ جولائی جناب شیخ الازہر نے ایک مقامی ہفت روزے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اسلامی دُنیا کی موجودہ حالت کسی طرح بھی خوش کن نہیں ہے۔ مسلمان اختلافات کا شکار ہیں۔ باہمی تعاون مفقود ہے۔ وسائل ہونے کے باوجود اکثریت اقتصادی بدحالی میں مبتلا ہے۔ آپس کے جھگڑوں نے تباہ حال کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں پر زمین تنگ ہو چکی ہے۔ اُنھیں گھروں سے نکالا جارہا ہے۔ وہ دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے

ہیں، کوئی نہیں جو ان کی حفاظت کے لیے آگے بڑھے۔

اپنے تفصیلی انٹرویو میں جناب شیخ الازہر نے مصر میں حالیہ احتجاجی مظاہروں، عالمِ اسلام کی صورتِ حال اور نئے عالمی تغیرات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

انھوں نے کہا اسلام کے بارے میں ابھی تک غلط فہمیاں موجود ہیں۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ ان غلط فہمیوں کو کم کرنے کی بجائے ان میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ وہ امریکی مجلے "ٹائم" کے حالیہ شمارے میں اذان کے مینار کے ساتھ توپ کی تصویر کے ذریعے اسلام کو غلط رنگ میں پیش کرنے پر تبصرہ کر رہے تھے۔ انھوں نے اس قسم کی صحافت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اذان اسلام کے پیغام امن و سلامتی، محبت و رحمت اور انسانی حقوق کے احترام کی علامت ہے۔ اسلام کو توپ اور تلوار کا مذہب قرار دینے والے ماضی ہی میں نہیں آج بھی انسانی خون کی ارزانی اور انسانی حقوق کی پامالی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ آج بوسنیا میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر کے احترام انسانیت کی دھجیاں بکھیرنے والے لوگ، اسلام کو جنگ و جدل کا مذہب کیسے قرار دے سکتے ہیں۔؟ انھوں نے مغرب کے اس اندیشے کی بھی تردید کی کہ کمیونزم کے خاتمے کے بعد اب مغرب کے لیے سب سے بڑا خطرہ اسلام ہے اور دُنیا عیسائیت اور اسلام کے درمیان ایک خونریز جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم کے خاتمے کے بعد اب مغرب خود ایک ایسی مادی اور فوجی طاقت بن گیا ہے کہ وہ کسی کو برابری تو کیا سر اُٹھانے کی اجازت نہیں دے گا۔ اگر کسی جنگ کا خطرہ ہے تو مغرب کی طرف سے ہے۔ مسلمانوں نے تو وسائل کے ہوتے ہوئے ایک کمزور اور محکوم کا موقف قبول کر لیا ہے۔ مسلمان ممالک آپس کے جھگڑوں اور رقابتوں کی وجہ سے ذاتی اور علاقائی مفادات کو ترجیح دے رہے ہیں۔ وہ عالمی طاقت کیسے بن سکتے ہیں؟

عالمِ اسلام کی اندرونی صورتِ حال خصوصاً مصر میں ہونے والے حالیہ احتجاجی مظاہروں کے سلسلے میں شیخ الازہر نے کہا کہ بعض اسلامی جماعتیں اور دانشور

"سرکاری اسلام" اور "عوامی اسلام" کی اصطلاحیں استعمال کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے جامعہ ازہر کو سرکاری علما کا ادارہ قرار دیا ہے اور الزام لگایا ہے کہ جامعہ ازہر دنیا میں مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں پر حکومت کی تائید میں خاموش ہے۔ شیخ الازہر نے کہا کہ جامعہ ازہر ایک علمی اور دینی ادارہ ہے۔ اس کے پاس نہ تو فوجی قوت ہے نہ اس کا دائرہ کار اس کی اجازت دیتا ہے۔ اُنھوں نے کہا ہم نوجوانوں کے احتجاجی مظاہروں کے باوجود ان سے گفت و شنید کے قائل ہیں۔ ہم انھیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ علما کے ساتھ بیٹھیں اور تبادلۂ خیالات کے ذریعے افہام و تفہیم کی راہ نکالیں۔

اُنھوں نے مصری اخبارات پر بھی تنقید کی جنھوں نے اسلامی جماعتوں کے ان احتجاجی مظاہروں کو عالم اسلام میں ایک بہت بڑی عمرانی تبدیلی کا پیش خیمہ قرار دیا ہے۔ بعض دانشوروں نے نوجوانوں کے اس اجتماع اور ان کی علما سے بیزاری کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ علما کی دعوتی جدوجہد ناقص ہے اور ان کے طریق کار میں کوئی خرابی ہے۔ شیخ الازہر نے اس قسم کی آرا کی سختی سے تردید کی اور کہا کہ ان احتجاجی مظاہروں کو خواہ مخواہ اہمیت دی جا رہی ہے۔ ان کی حیثیت محض انفرادی اور مقامی ہے۔ علمائے ازہر کو "سرکاری علما" کہنے والے، علما کے مقام اور کام دونوں سے ناآشنا ہیں۔

خاوند کے گھر میں رہائش مطلّقہ بیوی کا لازمی حق نہیں۔

(مصر کی دستوری عدالتِ عالیہ کا فیصلہ)

قاہرہ ۳۱ جولائی۔ مصر کی دستوری عدالت عالیہ نے فیصلہ دیا ہے کہ مطلّقہ بیوی کا یہ لازمی حق نہیں ہے کہ وہ طلاق کے بعد خاوند کے گھر ہی میں رہائش پذیر ہو۔ عدالت کے اس فیصلے کے بعد مصر میں قانونی مناقشات اور شرعی بحثوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اس بحث کے دوران بہت سے قانونی، معاشرتی اور آئینی سوالات سامنے آ رہے ہیں۔ بعض ماہرین قانون کا کہنا ہے کہ اس فیصلے سے مصری عائلی قوانین

میں تبدیلی کا عمل پھر سے شروع ہوگیا ہے۔

وزارتِ اوقاف کے ڈاکٹر عبدالرشید صقر نے مسئلے کی فقہی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ عدّت کے دوران رہائش اور نفقے کی ذمہ داری خاوند پر عائد ہوتی ہے۔ یہ عدّت طلاق کی ہو یا وفات کی۔ طلاق کی صورت میں حائضہ بیوی کی عدت تین حیض اور غیر حائضہ کی تین ماہ ہے۔ حاملہ بیوی کی عدت بچے کی پیدائش تک اور خاوند کی وفات کی صورت میں عدت کی مدت چار ماہ دس دن ہے۔ ان تمام صورتوں میں رہائش اور نفقے کا ذمہ دار خاوند ہے۔ اس مدّت میں مطلقہ بیوی کا خاوند کے گھر میں رہنا لازمی ہے بلکہ فقہا نے صراحت کی ہے کہ اگر بیوی کو طلاق کی خبر اس وقت ملی جب وہ خاوند کے گھر سے باہر تھی، تو اسے فوراً خاوند کے گھر میں چلے آنا چاہیے۔ عدت کے دوران اس کا گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیوہ کو ضرورت کے وقت گھر سے نکلنے کی اجازت ہے لیکن مطلقہ کو نہیں۔ یہ تمام احکام قرآن میں بہت صراحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں:

"اے نبیؐ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو ان کی عدت کا خیال کرتے ہوئے طلاق دو۔ اور (طلاق کے بعد) ان کی عدت کا شمار کرتے رہو اور اللہ سے ڈرو جو تمھارا رب ہے۔ تم مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

(سورۃ الطلاق: ۱۔ ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد)

عدت کی مدت گزر جانے کے بعد رہائش کے احکام بدل جاتے ہیں۔ اگر مطلقہ بیوی کی اولاد نہیں تو اس کا رہائش کا حق باقی نہیں رہتا۔ اگر اولاد ہے تو ان کی پرورش کے لیے ان کے بالغ ہونے تک بیوی کو رہائش کا حق باقی رہتا ہے۔ پرورش کی یہ مدت سات برس سے تیرہ برس تک ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اسی مکان میں رہائش پذیر ہو جہاں طلاق سے پہلے رہتی تھی۔ خاوند اسے کوئی اور

مکان بھی لے کر دے سکتا ہے۔ ان احکام میں بنیادی اصول بچوں کی بہبود ہے۔
ڈاکٹر احمد شلبی نے ایک اور سوال اُٹھایا ہے کہ اگر خاوند رہائش اور نفقے کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہ ہو تو کون ذمہ دار ہوگا۔؟ ڈاکٹر شلبی نے واضح کیا کہ ایسی شادی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جہاں خاوند رہائش اور نفقے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ ایسی صورت میں اسے شادی کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ بیوی کے ان حقوق کی حفاظت شادی کی اوّلین شرط ہے۔ گویا خاوند کی طرف سے ایسا سوال اُٹھانا بنیادی طور پر اس لیے بھی غلط ہوگا کہ اس صورت میں اسے شادی کی اجازت ہی نہیں تھی۔
البتہ بعض حالات میں اگر خاوند کی یہ استطاعت باقی نہ رہے تو ماں کی حفاظت، بچوں کی بہبود اور خاندانی فلاح کے اصول اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ مطلقہ بیوی اور اس کے بچوں کی رہائش کا انتظام معاشرے اور ریاست کی ذمہ داری قرار دی جائے۔
مطلقہ بیوی کے حقوق کے بارے میں اس قانونی بحث میں بھارت کے مشہور شاہ بانو مقدمے کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس مقدمے کے حوالے سے مطلقہ بیوی کے نفقے کے بارے میں بھارت اور پاکستان کے علما میں علمی اور قانونی مناقشات کا سلسلہ جاری رہا تھا۔